# سرسید احمد خان کے تصور معجزات پر مولانا ثناءاللہ امر تسری رحمۃ اللہ علیہ کی تنقید کا خصوصی مطالعہ

عابدہ نسرین*
ڈاکٹر محمد ادریس لودھی**

## ABSTRACT

Sir Sayed Ahmad Khan (1817-1898) was an Indian Muslim pragmatist, reformist and philosopher of nineteennth century British India. Sir Sayed Ahmad Khan says that in the histroy of the Prophets in the incidents which were regarded as miracles were not miracles but happening which took place according to the natural laws. According to him nothing happens which is against the law of nature.He rejects miracles not because they are contrary to reason but because Holy Quran does not lend to support to miracles. This paper attempts to enlighten Sir Syed, concept of miracles and explores the criticism of Moulana Sana Ullah Amratsari (1868-1948) on his concept of miracles.

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان
** چیئرمین، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

برصغیر کی علمی شخصیات میں ایک نامور شخصیت مولانا ثناء اللہ امر تسری کی ہے۔ مولانا کا خاندان سرزمین کشمیر سے تھا۔ آپ کے والد ماجد نے کشمیر کو چھوڑا اور کاروبار کرنے کے لیے امر تسر تشریف لے آئے اور یہیں رہائش پذیر ہوگئے۔ مولانا ثناء اللہ جون ۱۸۶۸ء بمطابق ۱۲۸۸ھ میں امر تسر میں پیدا ہوئے۔[۱] ابتداء میں آپ نے مولانا احمد اللہ[۲] کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے۔ ۱۸۹۲ء میں مولانا نے مدرسہ فیض عام سے فارغ التحصیل ہوئے۔[۳] ۱۸۹۹ء میں مولانا عبد المنان وزیر آبادی[۴] سے حدیث میں سند حاصل کی۔[۵] اس کے بعد شمس العلماء میاں نذیر حسین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ[۶] کی شاگردی اختیار کرلی اور مولانا عبد المنان وزیر آبادی کی سند دکھا کر ان سے

---

(۱) امر تسری، ثناء اللہ، تفسیر قرآن مع تفسیر ثنائی، ثنائی اکیڈمی، لاہور، ص:۸۳۴

(۲) مولانا احمد اللہ امر تسری (المتوفیٰ:۱۹۱۶ء) امر تسر کے رؤسا میں شمار ہوتے تھے۔ عالم باعمل تھے۔ ابو عبیدہ کنیت تھی۔ مولانا غلام علی قصوری کے شاگرد تھے اور مسجد غزنویہ میں خطبہ دیا کرتے تھے۔ امر تسر کی مبارک مسجد آپ نے بنوائی تھی۔ امر تسر میں درس قرآن کا سلسلہ بھی آپ ہی نے شروع کیا تھا۔ "کلام المسعود فی مسئلۃ المولود" آپ کی تصنیفات میں سے ہے۔ (سوہدروی، عبد المجید خادم، سیرۃ ثنائی، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور، طبع اول: مئی ۱۹۸۹ء، ص:۱۰۸-۱۰۹)

(۳) امر تسری، ثناء اللہ، تفسیر قرآن مع تفسیر ثنائی، ص:۸۳۵

(۴) مولانا حافظ عبد المنان وزیر آبادی (۱۲۶۷ھ-۱۳۳۴ھ) ایک جیّد عالم دین، فقیہ اور محدث تھے۔ انہیں محدث پنجاب بھی کہا جاتا ہے۔ ضلع جہلم کے ایک گاؤں کروم میں پیدا ہوئے۔ ۸ سال کی عمر میں آشوب چشم کی وجہ سے آپ کی بینائی چلی گئی۔ شیخ الکل سید نذیر حسین دہلوی کے یہاں جملہ علوم و فنون بالخصوص حدیث اور تفسیر کی تکمیل کی۔ قیام دہلی کے دوران میں بانی دار العلوم دیوبند محمد قاسم نانوتوی و دیگر نامی گرامی علما سے بھی ملاقاتیں کیں۔ تکمیل دورۂ حدیث کے بعد امر تسر مولانا عبد اللہ غزنوی کے پاس آگئے۔ کچھ عرصہ قیام کے بعد وزیر آباد آگئے۔ جہاں تاحیات رہے۔ نامور شاگردوں میں ثناء اللہ امر تسری، مولانا میر سیالکوٹی، ابو القاسم سیف بنارسی، مولانا اسمعیل گوجرانوالی ہیں۔ آپ کو بخاری شریف ساٹھ مرتبہ پڑھانے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کا چہرہ بارعب، آواز بلند، قد دراز، طبیعت قلندری اور عادات سکندری تھیں۔ مستجاب الدعوات تھے۔ مسائل میں متشدد اور تنگ دل نہیں تھے۔ رمضان ۱۳۳۴ ہجری کو وزیر آباد میں انتقال ہوا۔ (شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ۱۰۶۱/۲۵، ۱۰۶۰)

(۵) امر تسری، ثناء اللہ، تفسیر ثنائی، ادارہ ترجمان السنہ، لاہور، ص:۵

(۶) شیخ الکل السیّد الامام نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (پیدائش:۱۸۰۵ء ــــ وفات:۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء) تیرہویں وچودھویں صدی ہجری کے جید عالم، محدث وفقیہ، مفسر و مجتہد، مدرس و مبلغ اور ایک صاحبِ نظر بزرگ تھے۔ وہ ۱۲۲۰ھ کو بہار کے ضلع مونگیر کے ایک گاؤں سورج گڑھ میں پیدا ہوئے۔ عظیم آباد میں انہوں نے سیّد احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی زیارت کی اور ان کے وعظ و نصائح سے مستفید ہوئے۔ اس کے بعد وہ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے دہلی تشریف لے گئے۔ دہلی میں انہوں نے شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی سے ۱۳ برس استفادہ کیا اور علوم القرآن والحدیث کی تحصیل کی۔ تکمیل کے بعد اپنے استاد کی مسند فضیلت پر متمکن ہوئے اور پوری زندگی اپنے آبائی وطن اور افرادِ خاندان سے دور دہلی میں اپنے استاد گرامی کی

حدیث میں سند واجازت کے شرف سے مشرف ہوئے۔ پھر مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور [۱] تشریف لے گئے۔ لیکن سہارنپور تھوڑا عرصہ رہے۔ پھر علم کی کشش انھیں دارالعلوم دیوبند [۲] لے آئی۔ یہاں سے علم حاصل کرنے کے بعد کانپور [۳] روانہ ہوئے اور مولانا احمد حسن [۴] سے بھی کسب فیض کیا۔ ان مختلف اساتذہ کے اسلوب نے اور علم و فن کے تمام بڑے چشموں سے سیر اب ہونے کے سبب مولانا کے اندر ایک گونہ اعتدال اور توازن پیدا ہو گیا۔ علاوہ ازیں ان کی شخصیت اور تحریر میں ان سب کی خوبیاں جمع ہو گئیں۔ مولانا خود لکھتے ہیں:

---

مسند تدریس پر فائز ہو کر خدمت انجام دیتے رہے اور بڑی شان واستغنا کے ساتھ متوکلانہ زندگی بسر کی۔ متاخرین میں تلامذہ کا اتنا بڑا حلقہ ان کے سوا کسی کا مقدر نہیں بنا۔ ان کی ۶۰ سالہ خدمت تدریس کے نتیجہ میں بڑے بڑے اعاظم رجال پیدا ہوئے۔ ۱۳۲۰ھ میں دہلی ہی میں وفات پائی۔ (حسینی، محمد تنزیل الصدیقی، افاداتِ نذیریہ، مشمولہ مجلہ الواقعہ، کراچی، شمارہ ۴۸-۴۹، جمادی الثانی ورجب المرجب ۱۴۳۷ھ)

(۱) جامعہ مظاہر علوم سہارنپور انڈیا کے صوبہ اتر پردیش کے ضلع سہارنپور میں رجب ۱۲۸۲ھ نومبر ۱۸۶۶ کو دارالعلوم دیوبند کے قیام کے محض چند ماہ بعد قائم ہوا۔ مدرسہ کی ابتدا مکتب کی صورت میں محلہ چوک بازداران کی مسجد سے ہوئی۔ اور بہت جلد ہی عالم اسلام میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کا شمار اپنی دینی، علمی، تعلیمی، تہذیبی و ثقافتی خدمات کی بنا پر دیوبندی مکتب فکر کے کلیدی اداروں میں ہونے لگا۔ (ماخوذ: http://mazahiruloom.org/SubMenu3.aspx، اخذ کردہ: ۵ جنوری ۲۰۲۰ء، بروز اتوار، بوقت: ۸:۰۰ بجے شب)

(۲) ضلع سہارنپور کے ایک قصبے نانوتہ کے مولانا محمد قاسم نانوتوی نے ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء بمطابق ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ کو دیوبند کی ایک چھوٹی سی مسجد (مسجد چھتہ) میں مدرسۃ دیوبند کی بنیاد رکھی۔ واضح رہے کہ اس نیک کام میں انہیں مولانا سید محمد عابد دیوبندی صاحب، مولانا ذوالفقار علی دیوبندی صاحب اور مولانا فضل الرحمن عثمانی دیوبندی صاحب کا عملی تعاون حاصل رہا۔ (ماخوذ: http://www.darululoom-deoband.com/urdu/، اخذ کردہ: ۵ جنوری ۲۰۲۰ بروز اتوار، بوقت: ۸:۰۰ بجے شب)

(۳) کانپور بھارت کی ریاست اتر پردیش کا سب سے زیادہ آبادی والا شہر ہے۔ یہ شہر دریائے گنگا کے کنارے واقع ہے۔ اس کے علاوہ اتر پردیش کا اہم تجارتی مرکز ہے۔

(۴) علامہ احمد حسن حنفی بطالوی (پٹیالہ) کانپوری شہر بطالہ (پٹیالہ) میں پیدا ہوئے جو 'گورداس بود' کے مضافات میں سے ہے اور وہیں بڑے بھی ہوئے۔ حصول علم کے لیے علی گڑھ شہر میں مفتی لطف اللہ صاحب کی خدمت میں رہنے لگے اور وہیں سے فراغت پائی۔ پھر مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں بحیثیت استاد مقرر کیے گئے، چنانچہ کافی زمانہ تک تدریسی فرائض انجام دیتے رہے، پھر کانپور شہر کے مدرسہ فیض عام میں ذمہ دار بنائے گئے، نتیجہ کے طور پر وہیں شادی کر کے رہائش اختیار کر لی اور طویل مدت تک درس دیتے رہے۔ پھر وہاں سے سفر کر کے حجاز مقدس تشریف لے گئے اور حج و زیارت مقامات مقدسہ سے فارغ ہوئے۔ پھر شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت طریقت حاصل کی اور ہندوستان لوٹ آئے۔ ۱۳۲۲ھ میں کان پور شہر میں آپ کی وفات ہوئی۔ (حسنی، عبد الحی بن فخر الدین بن عبد العلی الطالبی، الاعلام بمن فی تاریخ الہند من الاعلام المسمی بنزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر، دار ابن حزم، بیروت، لبنان، لطبع اول: ۱۹۹۹م، ۸/ ۱۱۸۰)

"میں نے حدیث کا علم جن شیوخ سے حاصل کیا ان میں سے حافظ عبد المنان پنجاب سے، مولانا محمود حسن[۱] دیوبند سے اور کانپور میں مولانا احمد حسن تھے۔ میں نے حدیث کے تینوں استادوں سے جو طرز تعلیم سیکھا وہ بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہے"۔[۲]

فارغ التحصیل ہو کر آپ واپس امر تسر تشریف لے آئے اور مدرسہ تائید الاسلام میں تدریس کرنے لگے۔ علاوہ ازیں آپ جمعیۃ علمائے ہند کی طرف سے صوبہ پنجاب کے امیر بھی رہے۔ قیام پاکستان کے بعد مولانا ہجرت کر کے امر تسر سے لاہور تشریف لائے۔ بعد ازاں لاہور، گوجرانوالہ اور پھر سرگودھا تشریف لے گئے۔ اور وہیں آپ ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو آپ کا انتقال ہوا۔

اسی دور میں عیسائی پادری مسلمانانِ برصغیر کو ان کے مذہب سے متزلزل کر رہے تھے اور مناظرے کر رہے تھے۔ آپ کی حساس طبیعت پر اس کا اثر ہوا اور اسی جذبہ کے تحت انہوں نے دوران تعلیم ہی مناظروں میں شرکت شروع کر دی۔ بعض اوقات آپ امر تسر کے گرجاگھر میں چلے جاتے، پادریوں کی گفتگو سن کر اور ان کے سامنے ایسے اعتراضات پیش کرتے کہ بے چارے لاجواب ہو جاتے۔[۳]

آپ نے تقریباً ۴۷ کتب و رسائل تحریر فرمائے[۴] اور زیادہ تر اسلام کی مدافعت اور فرق ہائے باطلہ کی تردید میں لکھا۔ اسی طرح آخری دم تک صحافتی سلسلہ بھی چلتا رہا۔ آپ مخالفین کی تردید کرتے ہوئے الزامات عائد کرنے سے اجتناب کرتے اور ان کے مستند مصادر اور امہات کتب ہی سے اقتباسات پیش کرتے تھے۔ مولانا نے اپنی متعدد مصروفیات کے باوجود قرآن کریم کی چار تفاسیر بھی لکھیں۔ ان میں سے دو عربی زبان میں بنام "تفسیر القرآن بکلام الرحمن"[۵] اور "بیان الفرقان علی علم البیان" لکھیں۔ اسی طرح اردو زبان میں "تفسیر بالرائے" اور "تفسیر ثنائی" لکھیں۔

---

(۱) مولانا محمود حسن دیوبندی (۱۸۵۱–۱۹۲۰ء) دارالعلوم دیوبند کے پہلے شاگرد، مشہور عالم دین، درالعلوم دیوبند کے صدر مدرس اور برصغیر کی آزادی کے لیے انگریز کے ہاتھوں مالٹا کی اسیری برداشت کی۔ شیخ الہند اور اسیر مالٹا آپ کے القابات ہیں۔

(۲) امر تسری، ثناءاللہ، تفسیر ثنائی، ادارہ ترجمان السنہ، لاہور، ص:۵

(۳) سوہدروی، عبدالمجید خادم، سیرت ثنائی، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ص:۱۱۰

(۴) آپ کی چند مشہور کتب درج ذیل ہیں: آیات متشابہات، تعلیم القرآن، الفوز العظیم، حق پرکاش، ترک اسلام، الہام، الہامی کتاب، مناظرہ دیوریا، مباحثہ ناہن، تقابل ثلاثہ، بطش قدیر بر قادیانی تفسیر کبیر، معارف قرآن بجواب حقائق قرآن، دلیل الفرقان، الکلام المبین فی جواب الاربعین وغیرہ۔

(۵) اس تفسیر کا پہلا ایڈیشن ۱۹۰۴ء میں اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۲۹ء میں امر تسر سے شائع ہوا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: قرآن پاک کی تفسیریں، چودہ برس میں، خدا بخش لائبریری، پٹنہ، ۱۹۸۹ء، ص:۳۰۴

## مولانا ثناء اللہ امر تسری کا تصور معجزات

کوئی کام اپنے عمومی اسبابِ کی عدم موجودگی میں کسی ایسے شخص سے سرزد ہو جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہو تو اسے معجزہ یا خارقِ عادت کہتے ہیں۔[۱] اگر یہ کام نبی کی اتباع کرنے والا یا ولی کرے تو اسے کرامت کہا جاتا ہے۔[۲] اگر کسی ولی کے علاوہ کسی نیک آدمی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو اسے "معونت" کہا جاتا ہے۔[۳] اگر کوئی ایسا کام کسی نبی کی بعثت سے پہلے ظاہر ہو تو اسے "ارہاص" کہتے ہیں۔[۴] اگر کسی غیر مسلم سے ظاہر ہو تو اسے "استدراج" کہتے ہیں۔[۵]

معجزہ کے خرق عادت ہونے کے حوالہ سے مولانا امر تسری رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ علماء کے نزدیک معجزہ کا خرق عادت ہونے کا جو مفہوم ہے، وہ اور ہے اور ہم جو انکار کرتے ہیں، اس سے ہم کچھ اور مراد لیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک معجزہ موافق عادت ہے اس لیے ہم اس کو نبوت کے ساتھ لازمہ مجہول الکیفیت مانتے ہیں۔[۶]

بعض لوگ، جن میں سر سید[۷] بھی شامل ہیں، معجزہ اور مسمریزم[۸] کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ تاہم مولانا امر تسری نے ان میں فرق کرتے ہیں۔ ان کے مطابق معجزہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور اس کے

---

(۱) جرجانی، علی بن محمد بن علی الزین، کتاب التعریفات، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، طبع اول: ۱۹۸۳م، ص: ۲۱۹

(۲) ایضا، ص: ۱۸۴

(۳) تھانوی، محمد بن علی ابن القاضی الحنفی، موسوعۃ کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، مکتبۃ لبنان، بیروت، طبع اول: ۱۹۹۶م، ۱۶۰۱/۲

(۴) جرجانی، کتاب التعریفات، ص: ۱۶

(۵) ایضا، ص: ۲۰

(۶) امر تسری، ثناء اللہ، تفسیر ثنائی، ۱/ ۳۸۲

(۷) سید احمد بن متقی خان (۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء–۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء) المعروف سر سید انیسویں صدی کے مصلح اور فلسفی تھے۔ سر سید احمد خان ایک نبیل گھرانے میں پیدا ہوئے جس کے مغل دربار کے ساتھ مضبوط تعلقات تھے۔ سر سید نے قرآن اور سائنس کی تعلیم دربار میں ہی حاصل کی، جس کے بعد یونیورسٹی آف ایڈنبرا نے انہیں قانون میں ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری عطا کی۔ سر سید احمد خان ۸۱ سال کی عمر میں ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء میں فوت ہوئے اور اپنے کالج کی مسجد میں دفن ہوئے۔

(۸) ڈاکٹر فریڈرک میزمر صاحب باشندہ میزربرگ واقع ملک آسٹریا کا ایجاد کیا ہوا علم، جسے خوابِ مقناطیسِ حیوانی یا تاثیر الانظار کہنا چاہیے۔ اس علم میں آدمی کے حواس ظاہری کو بمراد افزونی ادراک باطنی واظہار کمالِ نفس ناطقہ معطل کر کے دنیا کے خفیہ آئندہ موجودہ گزشتہ حالات کی معلومات بہ شرکتِ خیالاتِ عامل ومعمول بہم پہنچانے کی ترکیبیں بتائی گئی ہیں۔ یہ عمل ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے یا انگلیوں کے آنکھوں کے سامنے متواتر ہلانے سے کیا جاتا ہے۔ حکمائے اشراقین اس عمل کو صرف تصور کے ذریعہ سے کرتے تھے۔ (دہلوی، سید احمد، مولوی، فرہنگ آصفیہ، اردو سائنس بورڈ، وفاقی وزارت تعلیم، حکومت پاکستان، طبع ششم (عکسی): ۲۰۱۰ء، ۴/ ۳۵۲–۳۵۳)

برعکس مسمریزم میں دیگر افعال اثر انداز ہوتے ہیں۔ چاہے وہ کسی دوسرے کی تعلیم کا ہی اثر کیوں نہ ہو۔ دوسرے لوگ بھی ایسا کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔[۱]

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ سرسید معجزات اور کرامات کا انکار ان کے خلافِ عقل ہونے کی وجہ سے کرتے ہیں، لیکن اگر معجزات کے حوالہ سے سرسید کے نظریہ کو بنظر غائر دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ معجزات اور کرامات کا انکار اس لیے نہیں کرتے کہ وہ خلاف عقل ہیں، بلکہ اس لیے کرتے ہیں کہ قرآن میں ان معجزات کا کوئی ثبوت نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اہل علم نے معجزات و کرامات کا انکار جس سبب سے بھی کیا ہو مگر ہم صرف اس لیے ان کا انکار نہیں کرتے کہ یہ خلاف عقل ہیں، بلکہ اس وجہ سے کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں معجزات و کرامات جو خرق عادت ہوتے ہیں، ان کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔"[۲]

مولانا امر تسری رحمۃ اللہ علیہ نے سرسید کے معجزات کے حوالہ سے تصورات پر تنقید کرتے ہوئے یہ سعی کی ہے کہ سرسید کے اپنے قواعد کی روشنی میں ان کے فکری اور داخلی تضادات کو وضاحت سے پیش کیا جائے۔ چنانچہ سرسید احمد خان کے مذکورہ بالا بیان کو سامنے رکھتے ہوئے کہا ہے کہ گویا سرسید کو معجزات کے وقوع پذیر ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ انہیں بس اس بات کا ثبوت چاہیے کہ قرآن مجید میں معجزات کا ذکر ہے۔ لہٰذا ہم بھی اسی پر توجہ دیں گے کہ ان کے سامنے قرآن میں مذکور معجزات کی نشاندہی کر دیں۔[۳]

### بنی اسرائیل کے لیے سمندر پھٹنے کا انکار

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَ اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴾[۴]

اور جب تمہارے لیے ہم نے دریا کو پھاڑا اور تم کو بچایا اور تمہارے دشمن فرعونیوں کو دیکھتے ہی اسی میں غرق کر دیا۔

سب مفسرین نے اس واقعہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ کہا ہے کہ ان کی قوم جس پانی سے بے سروسامانی کی حالت میں صحیح سلامت پار چلی گئی، قوم فرعون کو اللہ تعالیٰ نے اسی پانی میں ڈبو دیا۔[۱] تاہم سرسید کے نزدیک یہ واقعہ

---

(۱) امر تسری، تفسیر ثنائی، ۱/ ۳۹۴

(۲) سرسید احمد خان، تفسیر القرآن، ۳/ ۳۷

(۳) امر تسری، تفسیر ثنائی، ۱/ ۳۸۴

(۴) سورۃ البقرہ: ۵۰

معجزہ نہیں ہے۔ ان کے بقول: ہمارے علماء نے اپنی پرانی عادت کے مطابق یہودیوں سے ایسی روایات لے کر قرآن کی تفسیر کر دیتے ہیں۔ جبکہ نہ کوئی دریا دو حصوں میں تقسیم ہوا اور نہ کوئی خرق عادت امر پیش آیا۔ بلکہ سمندر کی طرح اس دریا کی عادت ہی تھی کہ اس میں مد و جزر آناً فاناً ہوا کرتا تھا۔ اس لیے دراصل یوں ہوا کہ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر وہاں سے گزرنے لگے تو یہ دریا کے خشک ہونے کا وقت تھا اور جب فرعون نے تعاقب کرتے ہوئے اس خشک راستے پر چلنا چاہا تو اتفاقاً پانی چڑھ گیا۔ سر سید کے مطابق اس آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے دریا کے پھٹنے کو خرق عادت قرار دیا جا سکے۔ (۲)

مولانا امر تسری رحمۃ اللہ علیہ سر سید کی اس رائے سے متعلق لکھتے ہیں:

> "قرآن مجید سے بالکل واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر اپنا احسان جتلا رہے ہیں کہ ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دلانے کے لیے دریا کو پھاڑ کر تمہیں پار کروا دیا اور تمہارے دشمن کو اس میں غرق کر دیا۔ پس اس سے یہ واضح کرنا مقصود نہیں تھا کہ ہمیشہ سے ایسا ہوتا آیا ہے سو اس لیے یہ بھی ہو گیا ہے جس سے قوم بنی اسرائیل کی نجات علت غائی تھی۔ یہ بات بالکل بے معنی ہے اور یہ بنی اسرائیل پر کوئی احسان نہیں"۔ (۳)

سر سید احمد خان نے اپنے دعویٰ کی دلیل میں لغت عرب سے استشہاد کیا اور قرآنی لفظ "ضرب" کا مطلب "مارنا" کی بجائے "چلنا" کیا۔ ان کے مطابق آیت میں ضرب کا لفظ "مارنا" کے معنیٰ میں نہیں بلکہ "چلنا" کے معنیٰ میں ہے اور البحر سے پہلے "فی" محذوف ہے۔ لہٰذا آیت کا واضح مفہوم یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے عصا کے سہارے سے سمندر میں چلو۔ (۴)

مولانا امر تسری رحمۃ اللہ علیہ نے سر سید کے مذکورہ بالا لغوی استشہاد کا جواب بھی لغت عرب سے پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

---

(۱) امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں اس حوالے سے بڑی تفصیلی بحث کی ہے اور واقعہ غرق فرعون کے حوالے سے علماء و مفسرین کے اقوال جمع کر دیے ہیں۔ تفصیل ملاحظہ ہو: قرطبی، محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۲۰۰۶ء، ۲/۹۶۔۹۷

(۲) سر سید احمد خان، تفسیر القرآن، ۱/۹۹۔ نیز ۱/۷۷

(۳) امر تسری، تفسیر ثنائی، ۱/۵۵

(۴) سر سید احمد خان، تفسیر القرآن، ۱/۸۸

"حرف جارہ کا حذف لغتِ عرب میں جائز تو ہے لیکن ہر جگہ حرفِ جارہ کو محذوف کرنا لغتِ عرب کے بالکل خلاف ہے۔ وگرنہ عبارت کی تفہیم بہت مشکل ہو جائے گی۔"(۱)

سر سید نے اپنی تحقیق میں کتب سماوی سے بہت استفادہ کیا ہے۔ وہ آیات قرآنی کی وضاحت میں تورات وانجیل سے استشہاد کو بہت اہم تصور کرتے ہیں۔ کتب سماوی چونکہ بطلیموس(۲) کی کتب سے قدیم ہیں، اس لیے مولانا ثناء اللہ امر تسری رحمۃ اللہ علیہ نے سر سید کی تفسیر میں پائے جانے والے داخلی تضاد واختلاف کو نمایاں کیا ہے۔ مولانا کا کہنا ہے کہ کتب سماوی بطلیموس کے نقشوں سے پرانی ہیں اور خود سر سید ان کتب کو بہت زیادہ اہم قرار دیتے ہیں، اس لیے مناسب تھا کہ وہ ان کتب میں لکھی ہوئی بحر احمر(۳) کی کیفیت دیکھ لیتے۔ مولانا امر تسری رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو تحقیق سے گرا ہوا سمجھتے ہیں کہ جب دل چاہا کتب سماوی سے استدلال کر لیا اور جب جی نہ چاہا تو انہیں نظر انداز کر دیا۔

**پتھر سے پانی پھوٹنے کا انکار**

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ اِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِه فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾(۴)

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے حکم دیا کہ اپنے عصا کو لکڑی پر مار، تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔

مذکورہ آیت مبارکہ جس معجزے کو بیان کر رہی ہے، تورات بھی اس واقعہ کو انہی تفصیلات سمیت ذکر کرتی ہے۔(۵) مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ(۶) نے حضرت موسیٰ کے اس معجزے کے حوالے سے لکھا ہے کہ

---

(۱) امر تسری، تفسیر ثنائی، ۱/ ۵۵

(۲) بطلیموس (Ptolemy) (۱۰۰ – ۱۷۰ء) دوسری صدی عیسوی کا مشہور یونانی ماہر فلکیات، جغرافیہ دان اور ریاضی دان۔ اسکندریہ مصر میں پیدا ہوا۔ اس نے نظام شمسی کا زمین مرکزی (Earth-centered) نظریہ پیش کیا۔ اس موضوع پر اُس کی کتاب "المجستی" بہت مشہور ہے۔

(۳) بحر احمر (Red Sea) یا بحیرہ قلزم بحر ہند کی ایک خلیج ہے۔ یہ آبنائے باب المندب اور خلیج عدن کے ذریعے بحر ہند سے منسلک ہے۔ اس کے شمال میں جزیرہ نمائے سینا، خلیج عقبہ اور خلیج سوئز واقع ہیں جو نہر سوئز سے ملی ہوئی ہے۔ ۱۹ویں صدی تک یورپی اسے خلیج عرب بھی کہتے تھے۔

(۴) سورۃ البقرہ:۶۰

(۵) کتاب سفر خروج، باب اول

(۶) حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ بڑے مفسر اور محدث تھے، ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء میں آپ کی پیدائش ہوئی، علامہ انور شاہ کشمیری اور علامہ شبیر احمد عثمانی جیسے کبار اہل علم سے آپ نے علم حاصل کیا، بعد میں دارالعلوم دیوبند میں شیخ

موسیٰ علیہ السلام کا یہ واقعہ متعدد اعتبار سے معجزہ تھا۔ کہ پانی کا چھوٹے پتھر سے نکل کر ضرورت سے زائد مقدار میں بہنا اور ضرورت پوری ہونے کے بعد بند ہو جانا۔ ہر لحاظ سے یہ واقعہ قدرت الٰہیہ کا ایک خاص نشان اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ (۱)

تاہم سر سید کے نزدیک یہ واقعہ معجزہ نہیں ہے۔ ان کے مطابق حجر کا مطلب پہاڑ ہے اور ضرب کا مطلب رفتن ہے۔ گویا اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اپنے عصا کے ذریعے پہاڑ پر چلو۔ پہاڑ کی دوسری طرف ایسی جگہ ہے جہاں پانی کے بارہ چشمے جاری ہیں۔ جن کے متعلق اللہ نے فرمایا:

﴿فانفجرت منه اثنتا عشرة عينا﴾ (۲)

اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلتے ہیں۔ (۳)

سر سید کی اس رائے پر مولانا امر تسری رحمۃ اللہ علیہ نقد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ضرب کے معنیٰ "رفتن" اس وقت آتے ہیں جب ضرب کے بعد "فی" حرف جارہ آئے۔ مذکورہ واقعہ کی تفصیلات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کہیں بھی ضرب کے بعد "فی" حرف جارہ کا استعمال نہیں کیا، اس لیے یہاں ضرب کا معنیٰ "رفتن" لینا درست نہیں۔ اگر سر سید یہ کہیں کہ یہاں "فی" حرف جارہ محذوف ہے تو جس طرح کسی عبارت میں موجود حرفِ جارہ کو حذف ماننا درست نہیں، اسی طرح بلا ضرورت کسی عبارت میں حرفِ جارہ کو محذوف تسلیم کرنا بھی درست نہیں۔ کیونکہ اس طرح نص میں بہت تبدیلی آجاتی ہے۔ (۴)

### لاٹھی کے سانپ بننے کے معجزہ کا انکار

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿فَأَلْقٰى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ﴾ (۵)

پس موسیٰ نے اپنی لاٹھی پھینک دی۔ وہ صریح ایک اژدھا تھا۔

---

التفسیر کے عہدے پر باقاعدہ فائز کیے گئے، ۱۹۷۴ء / ۱۳۹۴ھ میں انتقال ہوا۔ معارف القرآن، مشکاۃ کی شرح "التعلیق الصبیح" اور عقائد الاسلام آپ کی عمدہ تصانیف ہیں۔

(۱) کاندھلوی، محمد ادریس، معارف القرآن، مکتبۃ المعارف، شہداد پور، سندھ، ۱۹۲۲ء، ۱/۱۸۸

(۲) سورۃ البقرہ:۶۰

(۳) سر سید احمد خان، تفسیر القرآن، ۱/۱۱۲

(۴) امر تسری، تفسیر ثنائی، ۱/۶۳

(۵) سورۃ الاعراف:۱۰۷

سر سید نے اس معجزہ کی تاویل کرتے ہوئے اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت متخیلہ قرار دیا ہے۔ سر سید کے بقول یہ کیفیت جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر طاری ہوئی اسی قوت نفس انسانی کا ظہور تھا جو ان پر اثر انداز ہوئی تھی۔ یہ کوئی معجزہ یا فوق الفطرت نہ تھا۔ (۱)

سر سید کی مذکورہ بالا تاویل بظاہر ضعیف ہے۔ اسی لیے مولانا امر تسری نے اس پر سخت گرفت کی۔ وہ کہتے ہیں کہ:

> "سر سید کی اسی بات سے معلوم ہوا کہ انسان کے اندر ایسی قوت مقناطیسی ہے جسے استعمال کر کے انسان دوسروں تک اثر پہنچا سکتا ہے۔ لیکن اس سے یہ اخذ کرنا کہ حضرت موسیٰ بھی اسی قوت سے متاثر ہوئے تھے، درست نہیں۔ کیونکہ مسمریزم کا عامل دوسروں پر اثر انداز تو ہو سکتا ہے، لیکن خود متاثر نہیں ہوتا۔" (۲)

## عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کا انکار

قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ﴾ (۳)

جب کہا فرشتوں نے اے مریم! اللہ تجھ کو بشارت دیتا ہے ایک اپنے کلمہ کی، جس کا نام مسیح عیسیٰ، مریم کا بیٹا مرتبے والا دنیا میں اور آخرت میں اور نزدیک والوں میں۔

جمہور مفسرین کا یہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے اور یہ واقعہ خلاف عادت ہونے کے سبب مسلمانوں ہی نہیں، عیسائیوں کے ہاں بھی معجزہ مانا جاتا ہے۔ (۴) تاہم سر سید اس کو معجزہ خیال نہیں کرتے۔ بلکہ وہ اس کو شادی مانتے ہیں جس کے نتیجہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ (۵)

مولانا امر تسری رحمۃ اللہ علیہ اس رائے پر نقد کرتے ہیں کہ سب مفسرین بن باپ پیدائش مانتے ہیں اور قرآن میں یہ بات تو بالکل واضح ہے، جیسا کہ سورۃ مریم میں مریم علیہا السلام کے تذکرہ میں ہے کہ جب فرشتے نے انہیں بیٹے کی خوشخبری دی تو انہوں نے کہا:

---

(۱) سر سید احمد خان، تفسیر القرآن، ۲/ ۱۱۱-۱۱۴

(۲) امر تسری، تفسیر ثنائی، ۱/ ۲۷۴-۲۷۵

(۳) سورۃ آل عمران: ۴۵

(۴) متی، باب ۱، درس ۱۸۔ لوقا، باب ۱، درس ۲۶

(۵) سر سید احمد خان، تفسیر القرآن، ۲/ ۲۷-۳۰

﴿أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا﴾ (۱)

میرے ہاں کیسے لڑکا ہو گا جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں ہے اور میں کوئی بدکار عورت نہیں ہوں۔

اسی طرح سورۃ آل عمران میں ہے:

﴿قَالَتْ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ قَالَ كَذَٰلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ﴾ (۲)

مریم بولی پروردگار! میرے ہاں بچہ کہاں سے ہو گا؟ مجھے تو کسی شخص نے ہاتھ تک نہیں لگایا، جواب ملا: ایسا ہی ہو گا، اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ فرماتا ہے تو بس کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔

اگر عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی فطری طریق کے مطابق تھی تو اس میں قدرتِ الٰہی کے تذکرہ کی ضرورت نہیں تھی۔ سورۃ آل عمران میں آگے چل کر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ﴾ (۳)

اللہ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام کی سی ہے کہ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا اور حکم دیا کہ ہو جا اور وہ ہو گیا۔

لیکن عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ کے پیدائش کے منکرین غور نہیں کرتے یا انصاف نہیں کرتے۔ (۴)

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گہوارے میں بات کرنا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلًا وَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ (۵)

اور وہ باتیں کرے گا لوگوں سے جب ماں کی گود میں ہو گا اور جبکہ پوری عمر کا ہو گا۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش پر یہودیوں نے ان کی والدہ پر جو گھناؤنا الزام لگایا تھا، اس کا جواب مسیح علیہ السلام نے بنفس نفیس ماں کی گود سے دیا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور مجھے اس نے اپنا رسول بنایا ہے۔ مذکورہ آیت میں یہ معجزہ بیان

---

(۱) سورۃ مریم: ۲۰

(۲) سورۃ آل عمران: ۴۷

(۳) سورۃ آل عمران: ۵۹

(۴) امر تسری، تفسیر ثنائی، ۱/۲۰۶

(۵) سورۃ آل عمران: ۴۶

ہوا ہے کہ مسیح نے ماں کی گود میں کلام کیا، حالانکہ اس حالت میں کوئی بچہ کلام کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ لیکن سر سید اس آیت سے مسیح علیہ السلام کے کسی معجزہ کے استدلال کو درست نہیں سمجھتے۔ ان کے مطابق قرآن مجید میں عیسیٰ علیہ السلام کے گہوارے میں کلام کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے، بلکہ قرآن کے مطابق یہودیوں نے کہا تھا کہ عیسیٰ جو کل کا بچہ ہے، اس سے ہم کیوں بات کریں؟[۱]

سر سید کی اس رائے پر نقد کرتے ہوئے مولانا امر تسری لکھتے ہیں کہ سید صاحب واقعی اس بات کے لائق داد ہیں کہ وہ اصول فطرت کو نہیں بھولتے مگر اپنی کہی ہوئی بات کو بھول جاتے ہیں۔ سورہ آل عمران کی جس آیت کا حاشیہ لکھنے کے لیے آپ بیٹھے ہیں اگر اس میں غور فرماتے تو سورہ مریم کی آیت مبارکہ کی غلط تفسیر کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی اور کان یکون کی گردان سے بھی جان چھوٹ جاتی۔ قرآن کریم کی آیت:

﴿ویکلم الناس فی المهد وکهلا﴾[۲]

میں آپ کا اپنا ترجمہ ملاحظہ کریں

"مسیح کلام کرے گا لوگوں سے گہوارہ میں اور بڑھاپے میں۔"[۳]

**عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمانوں پر اٹھائے جانے کا انکار**

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ وَ مُطَهِّرُكَ﴾[۴]

جب اللہ نے کہا اے عیسیٰ! میں تجھے فوت کرنے والا اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔

مفسرین کے نزدیک رفع عیسیٰ علیہ السلام سے مراد دنیا سے اٹھایا جانا ہے، نہ ان کی موت۔ اسی بات کی وضاحت قرآن نے کی ہے:

﴿وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾[۵]

اور انہوں نے نہ اس کو مارا اور نہ سولی پر چڑھایا لیکن وہی صورت بن گئی ان کے آگے۔

---

(۱) سر سید احمد خان، تفسیر القرآن، ۲/ ۳۱-۳۲

(۲) سورۃ آل عمران:۴۲

(۳) امر تسری، تفسیر ثنائی، ۱/ ۲۰۶-۲۰۷

(۴) سورۃ آل عمران:۵۵

(۵) سورۃ النساء:۱۵۷

مذکورہ آیت مبارکہ میں بہت سی باتیں بیان ہوئی ہیں۔ پہلے تو یہ بتا دیا کہ یہود و نصاریٰ کا عیسیٰ علیہ السلام کی مصلوبیت کا عقیدہ درست نہیں۔ دوم اس واقعہ کی اصلیت پر اطلاع دی کہ ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔ سر سید اس کے قائل نہیں اور اس کو خلاف قانون قدرت سمجھتے ہیں۔ مولانا امر تسری نے اس موقع پر سر سید کے داخلی تضادات کو بھی واضح کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ سر سید کہیں تو عیسیٰ علیہ السلام کی صلیب کو مانتے ہیں اور کہیں اس کو اس شخص سے تشبیہ دیتے ہیں جس کی شکل مسیح علیہ السلام جیسی ہوئی۔ سمجھنے کے لیے یہ کافی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو سانپ میں اور سانپ کو عصا میں تبدیل کر سکتے ہیں، اسی طرح وہ عیسیٰ علیہ السلام جیسی شکل بھی کسی اور کی بنا سکتے ہیں۔ (۱)

## انبیاء علیہم السلام کے خوابوں کا انکار

انبیاء کے خواب سچے ہوتے ہیں، جبکہ دیگر لوگوں کے سچے خوابوں کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ کہا گیا ہے۔ (۲) سچے خواب نبوت کی اتباع سے آتے ہیں۔ جتنی کسی شخص کی قوت ادراک تیز اور نبوت سے قریب ہو گی، اسی قدر اس کے خواب سچے اور تعبیر طلب ہوں گے۔ مگر سر سید نے خواب کی حقیقت اور کیفیت کا انکار کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ صوفیاء کرام، علماء اسلام اور فلاسفہ عالی مقام نے ملاء اعلیٰ کا جو مطلب سمجھا ہے، وہ صرف قوت متخیلہ کا اظہار ہے۔ اس کی سچائی اور واقعیت کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔ سر سید کے مطابق جس چیز کا مشاہدہ نہ ہو سکے، اس کا وجود ممکن نہیں۔ (۳)

مولانا امر تسری رحمۃ اللہ علیہ اس پر یوں نقد کرتے ہیں کہ ہمیں یہ تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ قویٰ ہی خواب دیکھنے میں مؤثر ہیں، لیکن یہ بھی ماننا پڑے گا کہ سارے قوانین قدرت مشاہدہ اور حس میں نہیں آسکتے، کیونکہ قوانین قدرت بے شمار ہیں۔ اس لیے یہ کہنا کہ قوانین قدرت بس وہی ہیں جو ہمارے مشاہدہ اور حس میں آچکے ہیں، شان الٰہی میں ایک طرح کی بے ادبی ہے۔ (۴)

مختصر یہ سید صاحب کے نزدیک خواب کا تعلق صرف دماغی خیالات سے ہے۔ یہ نہ ملاء اعلیٰ سے ہے اور خواب کوئی ذریعہ علم ہے، چاہے کسی کا بھی کیوں نہ ہو۔

## جسمانی معراج کا انکار

---

(۱) امر تسری، تفسیر ثنائی، تفسیر ثنائی، ۱/ ۲۲۰

(۲) بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ ﷺ وسننہ وایامہ (صحیح البخاری)، کتاب التعبیر، باب الرؤیا الصالحۃ جزء من ستۃ وأربعین جزءا من النبوۃ، حدیث نمبر: ۶۹۸۷، دار طوق النجاۃ، طبع اول: ۱۴۲۲ھ

(۳) سر سید احمد خان، تفسیر القرآن، ۲/ ۳۴

(۴) امر تسری، تفسیر ثنائی، ۲/ ۸۶

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہ لِنُرِیَہ مِنْ اٰیٰتِنَا﴾(۱)

پاک ہے جس نے اپنے بندے کو راتوں رات کعبہ شریف سے بیت المقدس تک جس کے ارد گرد ہم نے برکتیں کر رکھی ہیں سیر کرائی تاکہ ہم اس کو بعض نشانات دکھادیں۔

معراج کیسے ہوا؟اس حوالہ سے علماء اسلام کے ہاں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ ذیل میں چند اقوال ذکر کیے جارہے ہیں:

۱۔ اسراء اور معراج دو الگ الگ واقعات ہیں۔

۲۔ اسراء اور معراج ایک ہی واقعہ کے دو نام ہیں۔

۳۔ دونوں واقعات حالتِ منام میں ہوئے۔

۴۔ دونوں واقعات حالتِ بیداری میں ہوئے۔

۵۔ ایک واقعہ حالت بیداری میں پیش آیا جبکہ دوسرا حالت نیند میں۔

۶۔ بیت المقدس تک کا سفر جاگتے میں ہوا ہے اور اس سے آگے کا آسمانی سفر حالت خواب میں۔(۲)

زیادہ تر علماء کا ماننا ہے کہ واقعہ معراج بیداری کی حالت میں جسد عنصری سمیت ہوا تھا۔ تاہم سر سید احمد خان کے نزدیک اسراء اور معراج جسمانی نہیں تھا۔ ان کے مطابق پہلی دلیل کہ لفظ "عبد" میں جسم و روح دونوں شامل ہیں، اس لیے اسراء و معراج بجسدہ ہوئی تھی، بے معنی ہے اور بہت تعجب خیز ہے، کیونکہ اس کی کوئی مثال لغتِ عرب میں نہیں ملتی۔(۳)

مولانا امر تسری اس سے متعلق لکھتے ہیں کہ تسلیم ہے کہ روح کا لفظ ہونا ضروری نہیں، لیکن ایسا قرینہ تو ضرور ہونا چاہیے جس سے معلوم ہو کہ یہ خواب کا واقعہ تھا۔ بغیر قرینہ کے لفظ عبد سے روح مع جسم ہی مراد ہو گا۔ اس لیے سر سید کی ذمہ داری ہے کہ وہ قرینہ بتائیں، نہ کہ یہ فریق ثانی کی ذمہ داری ہے۔(۴)

سر سید کا کہنا ہے کہ واقعہ معراج بھی ایک خواب ہے۔ تاہم چونکہ انبیاء کے خواب سچے ہوتے ہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ کا یہ خواب بھی سچا خواب تھا۔ سر سید لکھتے ہیں کہ دراصل ہوا یوں ہو گا کہ آپ ﷺ نے خواب میں جو

---

(۱) سورہ بنی اسرائیل:۱

(۲) ابن کثیر، ابو الفداء، اسماعیل بن عمر بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دار طیبۃ للنشر والتوزیع، طبع دوم:۱۹۹۹م، ۵/۷

(۳) سر سید احمد خان، تفسیر القرآن، ۶/۸۱

(۴) امر تسری، تفسیر ثنائی، ۲/۱۸۳

کچھ دیکھا ہو گا، وہ لوگوں کو بتایا ہو گا۔ ان میں یہ بات بھی ہو گی کہ آپ ﷺ نے بیت المقدس کو بھی دیکھا تھا۔ قریش بیت المقدس کے سوا اور کسی حال سے واقف نہیں تھے، اس لیے قریش نے امتحاناً آپ ﷺ سے بیت المقدس کے حالات دریافت کئے۔ چونکہ انبیاء کے خواب صحیح اور سچے ہوتے ہیں، اس لیے آپ ﷺ نے خواب میں جو کچھ دیکھا تھا، بیان کر دیا۔ اسی کو راوی نے "فجلی اللہ لی بیت اللہ فرفعہ اللہ الی انظر الیہ" سے تعبیر کیا ہے۔ پس قریش کی اس مخاصمت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ حالتِ بیداری میں جسمانی طور پر بیت المقدس گئے تھے۔[۱]

مولانا امر تسری نے سر سید کے اس موقف پر بھی گرفت کی ہے۔ چنانچہ مولانا لکھتے ہیں کہ گو آپ نے اس تقریر میں واقعات سے نظر اٹھا کر "ہو گی اور ہو گا" سے بہت کچھ کام لیا ہے۔ تاہم اس سے یہی ثابت ہوا کہ کفارِ مکہ کے نزدیک آپ ﷺ کا دعویٰ یہی تھا کہ آپ ﷺ حالتِ بیداری میں جسمانی طور پر بیت المقدس گئے تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے آپ ﷺ کو جھٹلانا چاہا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ[۲] کو متزلزل کرنا چاہا۔ اگر یہ صرف خواب کی بات تھی تو اس میں اتنی تگ و دو کی ضرورت نہ تھی۔[۳]

## قرآن کس اعتبار سے معجزہ ہے؟

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِه﴾[۴]

اور اگر تمہیں اس میں شبہ ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو تم بھی اس جیسا ایک ٹکڑا بنالاؤ۔

مفسرین کے نزدیک مثلیت کا مطلب "مثل فی البلاغت" ہے۔ چنانچہ زمخشری[۵]، بیضاوی[۱]، امام رازی[۲]، ابن کثیر[۳]، اور سیوطی[۴] جیسے جلیل القدر مفسرین اسی کے قائل ہیں۔ جبکہ سر سید احمد خان اس حوالے

---

(۱) سر سید احمد خان، تفسیر القرآن، ۶/ ۹۲

(۲) ابو بکر صدیق عبد اللہ بن ابو قحافہ تیمی قریشی (پیدائش: ۵۷۳ء — وفات: ۲۲ اگست ۶۳۴ء) پہلے خلیفہ راشد، عشرہ مبشرہ میں شامل، پیغمبر اسلام کے وزیر، صحابی و خسر اور ہجرت مدینہ کے وقت رفیق سفر تھے۔ اہل سنت والجماعت کے یہاں ابو بکر صدیق انبیا اور رسولوں کے بعد انسانوں میں سب سے بہتر، صحابہ میں ایمان و زہد کے لحاظ سے سب سے برتر اور ام المومنین عائشہ بنت ابی بکر کے بعد پیغمبر اسلام کے محبوب تر تھے۔ عموماً ان کی کنیت "ابو بکر" کے ساتھ صدیق کا لقب لگایا جاتا ہے جسے ابو بکر صدیق کی تصدیق و تائید کی بنا پر پیغمبر اسلام نے دیا تھا۔

(۳) امر تسری، تفسیر ثنائی، ۲/ ۱۸۴

(۴) سورۃ البقرہ: ۲۳

(۵) علامہ ابو القاسم محمود بن عمر بن محمد خوارزمی زَمَخْشَری معتزلی ممتاز عالم، مفسر جو تفسیر کشاف کے مولف ہیں۔ ولادت بروز بدھ ۲۷ رجب المرجب ۴۶۷ھ مطابق ۱۸ مارچ ۱۰۷۵ء کو زمخشر میں ہوئی۔ وفات شبِ دوشنبہ ۸ ذوالحجہ ۵۳۸ھ مطابق ۱۲ جون ۱۱۴۴ء کو ہوئی۔

سے منفرد رائے رکھتے ہیں۔ ان کے مطابق بلاشبہ قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت بے نظیر و بے مثال ہے لیکن یہ چیز اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ قرآن منزل من اللہ ہے کیونکہ دنیا میں اور بھی ایسے کلام پائے جاتے ہیں جو اعلیٰ درجے کی فصاحت وبلاغت رکھتے ہیں، لیکن منزل من اللہ نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ خود قرآن مجید نے کہیں یہ نہیں کہا کہ اس کا بے مثل ہونا فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے ہے۔ بلکہ قرآن سے یہی پتہ چلتا ہے کہ قرآن باعتبار ہدایت بے مثل ہے۔ (۵)

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے سرسید کے اس دعوے پر کڑی تنقید کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ سرسید کا دعویٰ کہ دنیا میں اور بھی بے نظیر فصیح وبلیغ کلام پائے جاتے ہیں، محض ایک دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ کیونکہ قرآن صرف فصاحت وبلاغت میں بے نظیر ہی نہیں، بلکہ اس کی تحدی ہے کہ مخالفین اس جیسا کلام بنا کر دکھائیں۔ اس سے پتہ چلا کہ مثلیت سے فصاحت وبلاغت میں بے نظیر ہونا ہی مراد ہے۔ (۶)

---

(۱) مفسر قرآن۔ عبد اللہ بن عمر نام۔ بیضا میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والد اتابک ابو بکر بن سعید زنگی کے زمانے میں فارس کے قاضی القضاۃ تھے۔ آپ نے قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی اور شیراز کے قاضی مقرر ہوئے۔ پھر تبریز میں مقیم ہو گئے اور وہیں انتقال کیا۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن مجید کی تفسیر، انوار التنزیل واسرار التاویل، ہے اسے عموماً تفسیر بیضاوی کہتے ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک یہ بڑے پائے کی تفسیر ہے۔ اور درس نظامی میں شامل ہے۔ وفات ۱۲۸۶ء میں ۸۴ یا ۸۵ سال کی عمر میں ہوئی۔

(۲) محدث، فقیہ، فلسفی۔ پورا نام علامہ فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسینی تھا۔ ۱۱۴۹ء میں رے ایران میں پیدا ہوئے۔ شافعی اور اشعری عقیدہ رکھتے تھے۔ آپ نے علوم دین فلسفیانہ پیرائے میں پیش کیے۔ ابن سینا اور فارابی کے معترف اور امام غزالی کے خلاف تھے۔ علم الکلام میں مشہور تصنیف اساس التقدیس ہے۔ دوسری متداول تصنیف کا نام مفاتیح الغیب ہے جو تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ہے۔ وفات ۱۲۰۹ء میں ہوئی۔

(۳) ابن کثیر عالم اسلام کے معروف محدث، مفسر، فقیہ اور مورخ تھے۔ پورا نام اسماعیل بن عمر بن کثیر، لقب عماد الدین اور عرفیت ابن کثیر ہے۔ حافظ ابن کثیر کی ولادت ۷۰۱ھ میں مجدل میں ہوئی جو بصریٰ کے اطراف میں ایک قریہ ہے۔ تمام عمر آپ کی درس وافتاء، تصنیف وتالیف میں بسر ہوئی۔ حافظ ذہبی کی وفات کے بعد مدرسہ ام صالح اور مدرسہ تنکریہ میں آپ شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز رہے۔ اخیر عمر میں بینائی جاتی رہی۔ ۲۶ شعبان بروز جمعرات ۷۷۴ھ میں وفات پائی۔

(۴) امام جلال الدین سیوطی (پیدائش: ۱۲ اکتوبر ۱۴۴۵ء–وفات: ۱۷ اکتوبر ۱۵۰۵ء) اصل نام عبد الرحمان، کنیت ابو الفضل، لقب جلال الدین اور عرف ابن کتب تھا۔ ایک مفسر، محدث، فقیہ اور مورخ تھے۔ آپ کی کثیر تصانیف ہیں، آپ کی کتب کی تعداد ۵۰۰ سے زائد ہے۔ تفسیر جلالین اور تفسیر در منثور کے علاوہ قرآنیات پر الاتقان فی علوم القرآن علما میں کافی مقبول ہے اس کے علاوہ تاریخ اسلام پر تاریخ الخلفاء مشہور ہے۔

(۵) سرسید احمد خان، تفسیر القرآن، ۱/ ۳۰۳

(۶) امرتسری، تفسیر ثنائی، ۱/ ۳۹

## تصور ملائکہ کی عقلی توجیہات

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے نظام کو چلانے کے لیے اپنے کچھ بندوں کی ذمہ داری لگائی ہے، جنہیں فرشتے کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ان کی مختلف صفات بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا أُولِي أَجْنِحَةٍ مَّثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (۱)

تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا اور فرشتوں کو پیغام رساں مقرر کرنے والا ہے، (ایسے فرشتے) جن کے دو دو اور تین تین اور چار چار بازو ہیں وہ اپنی مخلوق کی ساخت میں جیسا چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ، لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُم بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ، يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ﴾ (۲)

وہ تو بندے ہیں جنہیں عزّت دی گئی ہے۔ اُس کے حضور بڑھ کر نہیں بولتے اور بس اُس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ جو کچھ اُن کے سامنے ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ اُن سے اوجھل ہے اس سے بھی وہ باخبر ہے وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے بجز اُس کے جس کے حق میں سفارش سننے پر اللہ راضی ہو، اور وہ اس کے خوف سے ڈرے رہتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے ان کی پیدائش کے بارے میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نور سے بنایا ہے۔ (۳)

سر سید ملائکہ کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے مطابق فرشتے قدرت الٰہی کا مظہر اور اللہ تعالیٰ کی بے انتہا قدرتوں کا ظہور ہے۔ ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ساری مخلوقات میں جو مختلف قویٰ پیدا کیے ہیں، وہی ملک یا ملائکہ ہیں۔ انہی میں ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے۔ انسان قوائے ملکوتی اور قوائے بہیمی کا مجموعہ ہے۔ ان دونوں قوتوں کی بے انتہا ذریات ہیں، جو نیکی اور بدی میں ظاہر ہوتی ہیں۔ قوائے ملکوتی انسان کے فرشتے اور قوائے بہیمی انسان کے شیطان ہیں۔ (۴)

اس حوالے سے مولانا امر تسری تحریر فرماتے ہیں کہ:

---

(۱) سورۃ فاطر:۱

(۲) سورۃ الانبیاء:۲۶-۲۸

(۳) قشیری، مسلم ابن الحجاج، صحیح مسلم، کتاب الزھد والرقاق، باب فی احادیث متفرقۃ، حدیث نمبر: ۲۹۹۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت

(۴) امر تسری، تفسیر ثنائی، ۱/۴۹

"سرسید کی یہ دلیل کیسے تسلیم کی جاسکتی ہے۔ یہ بات تو مسلم ہے کہ انسان سے پہلے فرشتے موجود تھے۔ اور یہ بات بھی تسلیم شدہ ہے کہ کسی چیز کے عوارض کا وجود تب تک نہیں ہو سکتا جب تک اس چیز کا وجود نہ مان لیا جائے۔ چنانچہ فرشتوں کی موجودگی انسان سے پہلے اس چیز کی دلیل ہے کہ فرشتوں سے بہر حال وہ مراد نہیں، جو سرسید بتارہے ہیں۔"(۱)

مولانا امرتسری ایک مناظر تھے چنانچہ ان کی تحریروں میں بھی مناظرانہ اسلوب موجود ہے۔ مولانا نے سر سید کے تصور معجزات پر کڑی تنقید کی ہے۔ انہوں نے زیادہ تر بہت عمدہ تنقید کی ہے لیکن بسا اوقات ان کے قلم سے بہت کمزور دلائل بھی پیش ہوئے ہیں۔

ایک اور جگہ سرسید کو بڑھاپے کا طعنہ دیا ہے۔(۲)

بسا اوقات ان کا طرز تحریر تحقیقی اسلوب سے ہم آہنگ محسوس نہیں ہوتا۔

کہیں کہیں مولانا نے دلیل کی بجائے طنز سے بھرپور باتیں کی ہیں۔(۳)

مولانا ثناء اللہ نے سرسید پر اگرچہ کڑی تنقید کی، لیکن یہ سارا نقد سرسید کی زندگی میں تھا۔ بعد از وفاتِ سرسید مولانا نے انہیں اچھے الفاظ سے یاد کیا ہے۔(۴)

**نتائج وسفارشات**

معجزات کے اثبات و نفی سے متعلق سرسید کا اسلوب عموماً عالمانہ اور مؤلفانہ ہے، کیونکہ سرسید کو جدید اردو نثر کا بانی بھی کہا جاتا ہے، جبکہ مولانا ثناء اللہ امرتسری بنیادی طور پر ایک مذہبی مناظر تھے۔ ان کا اسلوب مناظرانہ ہے۔ علمی اعتبار سے سرسید معجزہ اور مسمریزم کو ہم معنیٰ سمجھتے ہیں، جبکہ مولانا امرتسری کی رائے اس کے برعکس ہے۔ مولانا امرتسری سرسید کے اصولوں کے اندر رہتے ہوئے ان پر نقد کرتے ہیں۔ ایک جگہ سرسید ضرب کا معنیٰ بیان کرنا لیتے ہیں اور پھر بلا دلیل یہ لفظ سفر کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ مولانا امرتسری ضرب کا معنیٰ قرآنی سیاق وسباق کی روشنی میں طے کرتے ہیں۔ سرسید صحف سماوی، اناجیل اربعہ اور فلاسفہ یونان کے افکار سے متاثر نظر آتے ہیں، جبکہ مولانا امرتسری تفسیر بالماثور کی نمائندہ شخصیت ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ امت کو ہر دو طرح کے افراد کی ضرورت ہے کہ جن کی سرسید کی طرح ماڈرن اپروچ ہو اور مولانا امرتسری کی طرح ماضی کے عظیم الشان علمی ذخیرے کے محافظ اور مبلغ ہوں۔ اسی طرح کی مثال انبیاء علیہم السلام

---

(۱) ایضاً، ۱/ ۴۵-۴۶

(۲) ایضاً، ۱/ ۳۸۵

(۳) نمونہ کے لیے دیکھئے: امرتسری، تفسیر ثنائی، ۱/ ۳۹-۴۰، ۵۵، ۴۸۳، ۲/ ۸۹

(۴) امرتسری، تفسیر ثنائی، ۱/ ۲۰۷

میں بھی موجود ہے۔ جناب موسیٰ علیہ السلام اگر صاحبِ جلال ہیں تو جناب مسیح علیہ السلام جمالیات کی معراج ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلال و جمال دونوں کا امتزاج ہیں۔ کچھ خفیف نکات اور پہلو سر سید کے تصورات میں اور باقی ماندہ خفیف نکات مولانا امر تسری کے اسلوب میں پایا جانا ان کے غیر نبی ہونے کی دلیل ہے۔ دونوں امت مسلمہ کے نمائندے اور ضرورت ہیں۔ اپنے اپنے محل میں دونوں کا کام قابلِ قدر، لیکن ان کا اجر اللہ کے ہاں محفوظ ہے۔

❁❁❁